جس کی تلاش تھی

استاذہ نگہت ہاشمی

النور پبلیکیشنز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جس کی تلاش تھی

استاذہ نگہت ہاشمی

جس کی تلاش تھی

استاذہ نگہت ہاشمی

النور پبلیکشنز

نام کتاب	:	جس کی تلاش تھی
مُصنّفہ	:	نگہت ہاشمی
طبع اوّل	:	مئی 2007ء
تعداد	:	2100
ناشر	:	النور انٹرنیشنل
لاہور	:	98/CII گلبرگ III فون 042-7060578-7060579
فیصل آباد	:	103 سعید کالونی نمبر 1، کینال روڈ، فون: 1851 872 - 041
بہاولپور	:	7A، عزیز بھٹی روڈ، ماڈل ٹاؤن اے، فون: 2875199 - 062، 2885199، فیکس: 2888245 - 062
ملتان	:	888/G/1، بالمقابل پروفیسرز اکیڈمی، بوسن روڈ، گلگشت فون: 6223646 - 061
ای میل	:	alnoorint@hotmail.com
ویب سائٹ	:	www.alnoorpk.com

النور کی پراڈکٹس حاصل کرنے کے لیے رابطہ کریں:

مومن کمیونیکیشنز B-48 کرین مارکیٹ بہاولپور

فون: 2888245 - 062

قیمت	:	روپے

ابتدائیہ

زمین پر جب سے انسانی زندگی کا آغاز ہوا تلاش اور جستجو کا بھی آغاز ہو گیا۔ انسان تلاش میں ہے ایک اَن دیکھی حقیقت کی۔ وہ کچھ پانا چاہتا ہے اور اسی کی اسے جستجو ہے۔ وہ کیا پانا چاہتا ہے؟ وہ کیا تلاش کرنا چاہتا ہے؟ شاید اُسے معلوم نہیں۔ اسی وجہ سے وہ کچھ نہ کچھ کھوجتا ہے۔ انسان کے بچے کو دیکھیں، وہ کسی کھلونے کے ہاتھ میں آتے ہی اپنے حواس کی مدد سے اس کی حقیقت کی کھوج میں لگ جاتا ہے۔ وہ اُس چیز کو touch کرتا ہے، منہ میں ڈالتا ہے، پھینکتا ہے، اُلٹتا پلٹتا ہے، کبھی توڑ ڈالتا ہے۔ آخر کیوں؟ وہ ہاتھ آنے والی چیز کی اصل حقیقت تک پہنچنا چاہتا ہے۔ یہی بچہ بڑا ہو جاتا ہے تو اس کی کھوج بھی بڑھ جاتی ہے۔ وہ کبھی چیزیں بناتا ہے، کبھی بگاڑتا ہے اور کبھی نہیں تھکتا۔ ایک thirst ہے، ایک پیاس ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتی، کبھی بجھتی نہیں، کبھی اُسے قرار نہیں ملتا۔

سائنس دان کھوج لگاتے ہیں اشیاء کی حقیقت تک پہنچنے کے لئے۔ مشاہدے، تجربے کے بعد کبھی کسی ایک نتیجے تک پہنچ جاتے ہیں، خوش بھی ہوتے ہیں اور غیر مطمئن بھی کیونکہ کھوج کا سفر جاری رہتا ہے، ختم نہیں ہوتا۔

ماہرینِ نفسیات کو بھی جستجو ہوتی ہے، وہ بھی جاننا چاہتے ہیں نفسِ انسانی کی حقیقت

کو۔نفس کی اَدلتی بدلتی کیفیات کی کھوج ہے کہ تبدیلی کیسے آتی ہے؟ پیچھے کیا ہے؟اس کیفیت کو کیسے کنٹرول کیا جاسکتا ہے؟

دنیا کا جو علم چاہیں لے لیں، ماہرینِ علوم کی کارکردگی دیکھ لیں، کسی جاہل انسان کو دیکھ لیں یا جنگلوں میں رہنے والے اس انسان کو دیکھ لیں جس نے کبھی انسانی معاشروں سے رابطہ نہ رکھا ہو۔ ہر جگہ ایک چیز common ہے۔سب تلاش میں ہیں۔ان کا کیا کھو گیا؟ یہ کیا پانا چاہتے ہیں؟ یہ کس کی کھوج میں ہیں؟ یہ کہاں تک پہنچنا چاہتے ہیں؟اس کو وہ خود بھی نہیں جانتے لیکن کھوج، جستجو، تلاش بتاتی ہے کہ کوئی ہے جس کی تلاش ہے۔فلسفیوں نے اسے حقیقت کی تلاش کا نام دیا ہے اور حقیقت کیا ہے؟ یہ جان لینا کہ میں کون ہوں؟ میں کہاں سے آیا؟ مجھے کس نے بنایا؟ مجھے بنانے والے نے کیوں بنایا؟ میں نے کیا کرنا ہے؟ یہ ساری کائنات کیسے وجود میں آئی؟ اس کا بنانے والا کون ہے؟ اُس نے اِسے کس مقصد کے لئے بنایا؟ یہ کائنات اور انسان کہاں جا رہے ہیں؟ چیزیں وجود میں آتی ہیں، پھر کہاں چلی جاتی ہیں؟

ان سارے سوالوں کا جواب نہ تو صحیح معنوں میں انسان کے حواس دے سکے، نہ عقل۔ اس کے لئے ایک ایسے ذریعۂ علم کی ضرورت تھی جو اس سے اعلیٰ ہو۔ پیدا کرنے والے نے مہربانی کی، اُس نے انسان کی زمین پر آمد کے ساتھ ہی وحی کا سلسلہ شروع کیا۔انسان کی تلاش اور جستجو کے لئے غذا فراہم کی۔ یہ سلسلہ جاری رہا حتّٰی کہ آخری پیغام، آخری سچائی بھیجنے کا فیصلہ کرلیا گیا اور انسان کی مسلسل جستجو کے لئے اُسے حکم دیا گیا:

اِقْرَاْ بِسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ (العلق:1)

''پڑھو اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا''۔

اُس نے پیدائش کی حقیقت کے ساتھ انسان کے علم کے حصول کی حقیقت اور ربّ

سے تعلق کی حقیقت کو بھی واضح کیا اور یوں انسان کو پتہ چل گیا کہ اُسے کس کی کھوج تھی؟ کس کی تلاش تھی؟ اُسے راستہ مل گیا۔ اب ایک نئے سفر کا آغاز ہوا جس کے ذریعے انسان کو پتہ چل گیا کہ میں کون ہوں؟ میرا ربّ کون ہے؟ کائنات کا بنانے والا کون ہے؟ زندگی کا مقصد کیا ہے اور میں نے جانا کہاں ہے؟

اِقْــــرَأ اس سفر کے آغاز اور اس کو جاری رکھنے کے لئے کی جانے والی کوشش کا بیان ہے۔ اِقْرَأ سے آپ بھی اپنے سفر کا آغاز کر سکتے ہیں اس لئے کہ جستجو تو آپ کو بھی ہے، تلاش میں تو آپ بھی ہیں اور کسی راستے پر چلنا بھی ہے۔ اس راستے پر آ جایئے، کشادہ ہے، آسان ہے، اعلیٰ منزل کی طرف لے جانے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ ہمارے لئے اس علمی سفر کو مقدر کر دے، آسان بنا دے اور انجامِ کار ہمیں جنت تک پہنچا دے۔ (آمین)

نگہت ہاشمی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آج وقت ہے ماضی کی اُن یادوں کو دُہرانے کا جب اللہ تعالیٰ نے آخری بار انسانیت پر رحم کرنے کا ارادہ کرلیا۔ وہ وقت جب محمد رسول اللہ ﷺ حقیقت کی تلاش میں غارِ حِرا جایا کرتے تھے اور آپ ﷺ کوئی راستہ نہیں پاتے تھے۔ اُنہیں زندگی کے حقائق کی گُتھی سلجھانا نہیں آتی تھی۔ اس وقت کو محدّثین نے محفوظ کردیا۔ اللہ تعالیٰ اُن کے چہروں کو روشن کردے جنہوں نے محمد رسول اللہ ﷺ کی بات کو سنا، جنہوں نے آپ ﷺ کی حیات کو اپنے ذہنوں اور اپنے حافظے میں محفوظ رکھا اور جنہوں نے ان باتوں کو آگے پہنچادیا۔ امام بخاری رحمہ اللہ اپنی صحیح بخاری کی کتاب بدء الوحی کی تیسری حدیث میں یہ روایت لائے ہیں۔ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے بتایا:

"نبی ﷺ پر وحی کا ابتدائی دور انتہائی سچے اور پاکیزہ خوابوں سے شروع ہوا۔ آپ ﷺ خواب میں جو کچھ دیکھتے تھے وہ صبح کی روشنی کی طرح ظاہر ہوجایا کرتا تھا، صحیح اور سچا ثابت ہوتا تھا۔ پھر آپ ﷺ تنہائی پسند ہوگئے، آپ ﷺ نے غارِ حرا میں خلوت نشینی اختیار کی۔ کئی کئی دن اور کئی کئی راتیں آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہتے تھے، اللہ تعالیٰ کی یاد، اس کے بارے

میں غور وفکر کرنے میں آپ ﷺ مصروف رہتے تھے۔ جب تک گھر آنے کو دل نہ چاہتا اپنا توشہ ہمراہ لیے رکھتے تھے۔ جب ختم ہو جاتا تو واپس حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لاتے تھے اور پھر کچھ سامان لے کر غارِ حرا واپس چلے جاتے تھے۔ یہی طریقہ جاری رہا یہاں تک کہ حق آپ ﷺ پر واضح ہو گیا۔ آپ ﷺ غارِ حرا میں ہی قیام پذیر تھے کہ اچانک حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور کہنے لگے: اِقْرَأ آپ پڑھیے"۔

آپ ذرا اس منظر کو اپنے ذہن میں لے کر آیئے: مدت سے اس غار میں آپ ﷺ کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری تھا اور یہ پہلا واقعہ تھا۔ کیسا عجیب واقعہ تھا! کیسی عجیب ڈیمانڈ تھی! کیسا عجیب مطالبہ تھا! ایک ایسی ہستی سے، ایک ایسے شخص سے جو پڑھنا لکھنا نہیں جانتا تھا۔ آپ ﷺ کی کیفیت کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں واضح کیا گیا:

"آپ ﷺ نے جب جواب دیا: مَا اَنَا بِقَارِیٍٔ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ فرشتے نے مجھے پکڑا، اپنے ساتھ لگایا، زور سے بھینچا اور پھر چھوڑ دیا۔ پھر کہا: اِقْرَأْ: آپ پڑھو۔ میں نے پھر وہی جواب دیا: مَا اَنَا بِقَارِیٍٔ، میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ اُس فرشتے نے مجھے زور سے بھینچا۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ مجھے سخت تکلیف محسوس ہوئی"۔

ظاہر ہے کہ کوئی اپنے ساتھ لگائے، زور سے دبائے، ایسا لگتا ہے گویا انسان کی پسلیاں ایک دوسرے میں پیوست ہو جائیں گی، یہی کیفیت آپ ﷺ کی تھی۔

آپ ﷺ نے پھر جواب دیا: مَا اَنَا بِقَارِیٍٔ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ فرشتے نے تین بار ایسا ہی کیا۔ پھر اس نے کہا: اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ پڑھو اپنے ربّ کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ (بخاری:2)

الفاظ توجہ طلب ہیں: اِقْـرَاْ پر جو زبان نہیں کھلی تھی، جب اِقْـرَاْ کا تعلق پیدا کرنے والے ربّ کے ساتھ جوڑا گیا تو زبان کھل گئی۔ یہ حق کی پہچان تھی، یہ پہلی حقیقت تھی جو دل کے اندر اتر گئی۔ سورۃ العلق میں اس منظر کو دیکھتے ہیں:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ [1] خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ [2] اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ [3] الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ [4] عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ [5]

”پڑھو اپنے ربّ کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ جس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا۔ پڑھو اپنے ربّ کے نام سے جو بڑا کریم ہے۔ وہ جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا۔ انسان کو وہ کچھ سکھا دیا جو وہ جانتا نہیں تھا“۔

یہ پانچ آیات پہلی وحی کی ہیں۔ آپ ﷺ نے یہ آیات پڑھ لیں۔ اس موقع پر آپ کی توجہ اس طرف مبذول کرانا چاہتی ہوں کہ ہر وہ انسان جو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے، جو ربّ کی ذات کا فہم حاصل کرنا چاہتا ہے تو ربّ کے کلام کے توسط سے ہی ربّ کی ذات تک پہنچنا اس کے لیے ممکن ہوتا ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ کی طرح جب بھی کوئی کلامُ اللہ کی طرف توجہ کرتا ہے، ایک خیال اس کے ذہن میں آتا ہے: مَـا اَنَـا بِقَـارِیءٍ: ”میں تو پڑھا ہوا نہیں“، میں تو جانتا نہیں ہوں لیکن یہ آیت ہر ایک کے دل کو کتنی تسلی دلانے والی ہے:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ [1]

”پڑھو اس ربّ کے نام سے جس نے پیدا کیا“۔

جو آنکھ بنا سکتا ہے، کان بنا سکتا ہے، ذہن اور دل بنا سکتا ہے، جو زندگی عطا کر سکتا ہے، وہی علم بھی عطا کرنے والا ہے اور اسی نے علم عطا کرنا ہے۔

ان آیات کے اندر علم کے آداب بھی ہیں۔ پہلی بات جو ہمیں پتہ چلتی ہے وہ یہ کہ علم ربّ کی طرف سے ہے اور جب بھی سیکھنا ہے ربّ کے نام سے۔ آئے گا بھی ربّ ہی کے

نام سے، کسی اور نام سے یہ علم انسان کے پاس محفوظ نہیں رہتا۔ انسان اور ربّ کے درمیان ایک خلا حائل ہو جاتا ہے، وقفہ آ جاتا ہے، انسان سمجھ نہیں سکتا، تعلق میں رکاوٹ آ جاتی ہے۔

آپ ﷺ کو پیدائش کے مراحل کا کچھ پتہ نہیں تھا اور آپ ﷺ سے کہا گیا:

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ [2]

''انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا''۔

اگر جمے ہوئے خون سے جیتا جاگتا، سوچتا سمجھتا، ہنستا بولتا اور دنیا میں زندگی گزارتا ہوا انسان ربّ بنا سکتا ہے تو کیا وہ اس کو علم نہیں دے سکتا؟ توجہ کس جانب دلائی؟ کہ اپنی پیدائش کو دیکھو، وہاں سے آپ اخذ کر سکتے ہو کہ ربّ آپ پر کتنا مہربان ہے! وہ خالق ہے، اُس نے تخلیق کیا اور تعلیم بھی اُسی کی جانب سے ہوگی۔

پھر آپ دیکھیں کیسی ڈھارس ہے! کیسی تسلی! کیسا دلاسا!

اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ [3]

''پڑھو تمہارا ربّ بڑا کریم ہے''۔

ذرا کیفیت کا اندازہ کریں: آپ ﷺ کا دل کس بُری طرح سے دھڑک رہا تھا! آپ ﷺ کتنے گھبرائے ہوئے تھے! آپ حضرت جبرائیل علیہ السلام اور محمد رسول اللہ ﷺ کو آمنے سامنے، کبھی آپ ﷺ کا سینہ بھینچتے ہوئے، کبھی چھوڑتے ہوئے، اگر آپ نبی ﷺ کی کیفیات کو ذہن میں رکھیں گے، پھر ان آیات کا صحیح لطف لے سکتے ہیں:

اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ [3] الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ [4]

''آپ پڑھو: آپ کا ربّ تو بڑا ہی کریم ہے، وہ جس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا''۔

عَلَّمَ بِالْقَلَمِ میں ہمارے لیے تلقین ہے، ہمارے لیے ایک راستہ ہے، ایک way

ہے کہ علم کیسے حاصل کرنا ہے؟ کل بھی قلم کے ذریعے سے علم راسخ ہوا تھا اور آج بھی قلم کے بغیر علم کا راسخ ہونا ممکن نہیں ہے۔

عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ [5]

''انسان کو وہ کچھ سکھایا جو وہ جانتا نہیں تھا''۔

جو کچھ انسان کو علم نہیں ہے اس کا علم ربّ سے لینا ہے۔ عام طور پر اگر آپ لوگوں کو observe کریں، جس چیز کے بارے میں نہیں جانتے کہاں سے پوچھتے ہیں؟ اُن سے جن کو خود معلوم نہیں ہوتا، اپنے جیسے انسانوں سے، اپنے جیسے افراد سے جبکہ یہاں سے ہمیں گائیڈ لائن ملتی ہے کہ علم کا اصل source، اصل منبع و مرکز اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس حال میں غارِ حرا سے واپس ہوئے کہ اس انوکھے واقعے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل کانپ رہا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور فرمایا:

زَمِّلُوْنِیْ زَمِّلُوْنِیْ

''مجھے کمبل اوڑھا دو، مجھے کمبل اوڑھا دو''۔

یہ ایک دہشت زدہ انسان کی تصویر ہے جو الفاظ میں کھینچی گئی ہے۔ حصولِ علم کے ابتدائی دور میں ایسا ہی ہوا کرتا ہے۔ نیا نیا معاملہ ہو تو انسان پریشان بھی ہوتا ہے، گھبراتا بھی ہے۔ ہم میں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں فرق یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرشتے نے سکھایا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر القاء کیا گیا تھا جبکہ ہم کانوں سے سنتے ہیں، آنکھوں سے پڑھتے ہیں، زبان سے دُہراتے ہیں، ذہن سے سوچتے ہیں، دل سے محسوس کرتے ہیں۔ فرق ہے ناں! اور پھر آپ دیکھیں کہ ذریعہ کتنا آسان ہے اور وہ ذریعہ کتنا مشکل تھا! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ دیر کے بعد جب سکون محسوس کیا تو اپنی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

لَقَدْ خَشِيْتُ عَلَىٰ نَفْسِىْ .

''مجھے اپنی جان کا ڈر ہے''۔

یہ ایک ایسی بات ہے کہ علم کے میدان میں اس موڑ پر انسان کی ایسی ہی کیفیات ہوتی ہیں۔لگتا ہے کہ یہ سب کچھ چھوٹ جائے گا۔رسول اللہ ﷺ کا ڈر اور نوعیت کا تھا اور آج کے انسان کا خوف اور نوعیت کا ہے لیکن ایک resemblance دیکھئے گا: لَقَدْ خَشِيْتُ عَلَىٰ نَفْسِىْ کی بات آتی ضرور ہے، مجھے اپنی جان کا ڈر ہے، مجھے میرے نفس کا ڈر ہے۔

اس پر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کی ڈھارس بندھائی اور کہا: آپ ﷺ کا خیال درست نہیں ہے، آپ مثبت انداز میں [positively] نہیں سوچ رہے۔

كَلَّا ''ہرگز نہیں''۔

سنہری الفاظ ہیں، تاریخ کے سب سے خوب صورت الفاظ جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ادا کیے۔شاید کوئی بیوی اپنے شوہر کو اتنا قیمتی تحفہ نہیں دے سکتی جتنا قیمتی تحفہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے دیا۔حصولِ علم کے لیے شوہر اور بیوی کا تعلق آپس میں کیسا ہونا چاہیے؟ اس سے ہمیں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اگر ایک فرد علم حاصل کر رہا ہے، کشمکش میں ہے، problem میں ہے تو دوسرے کو اس کے ساتھ کیسا رویہ اختیار کرنا چاہیے؟ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا:

كَلَّا وَاللّٰهِ مَا يُخْزِيْكَ اللّٰهُ اَبَدًا

''ہرگز نہیں قسم ہے اللہ کی! اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا''۔

کتنا بڑا compliment ہے، اللہ تعالیٰ کی قسم کھائی ہے اس بات پر کہ اللہ آپ کو رسوا نہیں کرے گا۔ کشمیہنی جو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے سٹوڈنٹ ہیں ان کے نسخے میں یہ الفاظ ہمیں ملتے ہیں:

كَلَّا وَاللّٰهِ مَا يَحْزُنُكَ اللّٰهُ اَبَدًا

''ہرگز نہیں اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو کبھی غمگین نہیں کرے گا''۔

آپ ﷺ کبھی غم میں مبتلا نہیں کرے گا۔علم اور غم دونوں کا باہمی کیا تعلق ہے؟ یہ علم بھی وحی کا علم ہے۔تعلق بھی ربّ کی ذات کا ہے۔پہلی بار تو یہ شناسائی ملی اور دل ہے کہ قابو میں نہیں ہے اور ڈھارس بندھانے والی وہ عظیم خاتون کہتی ہیں:

''اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو کبھی غم میں مبتلا نہیں کرے گا''۔

کیسا یقین ہے! Confidence دیا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے۔پھر اس کی Reasoning کی ،اس کی کچھ وجوہات بھی بتائی ہیں۔انہوں نے فرمایا:

اِنَّکَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ

''آپ تو رشتے کو جوڑنے والے ہیں''۔

یعنی آپ کے اندر اتنے اعلیٰ اَخلاقی اوصاف پائے جاتے ہیں جن کی وجہ سے مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا،کبھی غم میں مبتلا نہیں کرے گا۔

وَتَحۡمِلُ الۡکَلَّ

''آپ ﷺ درماندوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں''۔

جو لوگ اپنی ضروریات کی کفالت خود نہیں کر سکتے،آپ ﷺ اُن کے لیے درد کا دَرماں بن جاتے ہیں۔اس خصوصیت پر اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو کبھی غم میں مبتلا نہیں کرے گا،اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی نہیں چھوڑے گا کہ آپ ﷺ اَخلاق کے ایسے بلند مرتبے پر فائز ہیں۔

وَتَکۡسِبُ الۡمَعۡدُوۡمَ

''اور آپ ﷺ تو فقراء اور دَرماندوں کو کما کر دیتے ہیں''۔

یہاں دو الفاظ توجہ طلب ہیں:'کَلّ' کس کو کہتے ہیں؟ وہ جس کے والدین یعنی اوپر کی

پشت میں سے بھی کوئی نہ ہو اور نیچے بھی یعنی اولاد بھی کوئی نہ ہو، جس کو کوئی پوچھنے والا نہ ہو۔ دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ 'معدوم' وہ ہے جو اپنی غربت کے ہاتھوں مٹ چکا ہو، جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو، کوئی ضرورت پوری نہ کر سکتا ہو تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے یہ گواہی دی کہ آپ ﷺ ایسے افراد کا خیال رکھتے ہیں جن کا کوئی خیال نہیں رکھتا، آپ ﷺ ایسے لوگوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں جو اپنا بوجھ اٹھانے کے قابل نہیں ہیں

وَتَقْرِیءُ الضَّیْفَ

''آپ ﷺ مہمان کی مہمان نوازی کرتے ہیں''۔

آپ ﷺ کی مہمان نوازی کی وجہ سے کہ جو بھی آپ ﷺ کے پاس چلا آئے آپ ﷺ اس کا خیال رکھنے والے ہیں، اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو کبھی غم میں مبتلا نہیں کرے گا۔ پھر ایک اور بڑی بات:

وَتُعِیْنُ عَلٰی نَوَآئِبِ الْحَقِّ

''اور جب کبھی مشکل وقت آن پڑتا ہے تو آپ ﷺ امرِ حق کا ساتھ دیتے ہیں''۔

یعنی جو بھی امرِ حق پر مبنی کام ہوتے ہیں چونکہ آپ ﷺ ان اُمور میں حق کا ساتھ دیتے ہیں اس وجہ سے اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا۔ میں وہ اعلیٰ اخلاق صفات آپ کے سامنے رکھنا چاہتی ہوں جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے نمایاں [highlight] کیں، رسول اللہ ﷺ کی شخصیت کی نمایاں خصوصیات:

☆ رشتہ جوڑنے والے۔

☆ درماندوں کو کما کر دینے والے۔

☆ بے سہارا لوگوں کا بوجھ بٹانے والے۔

☆ مہمانوں کی عزت کرنے والے۔

☆ حق کاموں پر دوسروں کا ساتھ دینے والے۔

یہ وہ خصوصیات تھیں جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے بتائیں کہ ان بنیادوں پر اللہ آپ ﷺ کو غم میں مبتلا نہیں کرے گا، اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا۔یعنی ایسے اوصاف والا انسان ذلت وخواری کی موت نہیں پاسکتا، رسوا نہیں ہوسکتا۔

پھر مزید تسلی کے لیے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں جو اُن کے چچازاد بھائی تھے اور زمانہ جاہلیت میں عیسائی مذہب اختیار کر چکے تھے، عبرانی اور سریانی میں نازل ہونے والی تورات پر عبور رکھتے تھے،ان کا ترجمہ اپنی زبان میں کرنے والے تھے۔ بہت بوڑھے ہوگئے تھے یہاں تک کہ ان کی بینائی بھی ختم ہوگئی تھی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ان کے سامنے سارے حالات بیان کیے اور کہا: کہ اے چچازاد بھائی! اپنے بھتیجے محمد ﷺ کی زبانی ذرا ان کی کیفیت کو سن لیجیے تو وہ بولے: بھتیجے! آپ نے جو کچھ دیکھا ہے بیان کرو، تفصیل سناؤ! نبی ﷺ نے سارا واقعہ کہہ سنایا۔سن کر ورقہ بے اختیار پکار اُٹھے کہ یہ تو وہی ناموس (رازدار فرشتہ) ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا کرتا تھا اور پھر حسرت بھرے کلمات اور دُعائیں ورقہ بن نوفل کے منہ سے نکلنی شروع ہوگئیں۔

ورقہ نے کہا:

یَا لَیْتَنِیْ !

اے کاش کہ ایسا ممکن ہو جائے کہ آپ ﷺ کی نبوت کا آغاز ہو تو میں جوان ہوں، مجھے جوانی مل جائے، مجھے قوت مل جائے۔

لَیْتَنِی اَکُوْنُ حَیًّا

''کاش میں اس وقت تک زندہ ہی رہ جاؤں''۔

پہلی خواہش یہ تھی کہ جوان ہوں، جوان ہوں گا تو مدد کروں گا۔

دوسری خواہش یہ کہ چلو اللہ تعالیٰ مجھے زندگی ہی دے دے اور اس وقت زندہ رہوں:

اِذْ یُخْرِجُکَ قَوْمُکَ

''جب آپ ﷺ کی قوم آپ ﷺ کو نکال دے گی''۔

فَقَالَ رَسُوْلُ اللہِ ﷺ:

''تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:''

اَوَ مُخْرِجِیَّ ھُمْ ؟

''کیا وہ مجھے نکال دیں گے''؟

اتنی محبت کرنے والے رشتہ دار، میری قوم کے افراد جو مجھے صادق اور امین کہتے ہیں۔ کیا بھلا وہ مجھے نکال دیں گے؟

اس وقت آپ ﷺ جانتے نہیں تھے کہ جب کوئی حق کی دعوت دینے لگتا ہے تو لوگ کیسے مخالف ہو جایا کرتے ہیں اور سب سے پہلی مخالفت تو اپنے قریبی لوگوں کی ہوا کرتی ہے۔ یہ تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پر اللہ تعالیٰ کا خصوصی کرم تھا اور رسول اللہ ﷺ کے اعلیٰ اَخلاق تھے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کی ذات گواہی دی، آپ ﷺ کے بالکل قریبی رشتہ داروں میں سے آپ ﷺ کے چچازاد بھائی، آپ ﷺ کی بیوی، آپ ﷺ کے آزاد کردہ غلام اور آپ ﷺ کے دوست، ہر حلقے سے اللہ تعالیٰ نے سعید رُوحوں کو منتخب کر لیا۔

مجھے اس وقت ورقہ بن نوفل کی آہیں، حسرتیں یاد آتی ہیں۔ اس روایت سے مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ علم والوں کا یہی رویہ ہوتا ہے:

''اے کاش کہ میں جوان ہوتا''!

جب آپ ﷺ نبی بنتے تو مجھے جوانی مل جاتی۔ ہائے کاش ایسا ممکن ہو جائے کہ مجھے وہ جوانی مل جائے اور میں وہ منظر دیکھ سکوں کہ جب آپ ﷺ کی قوم نے آپ ﷺ کو نکال دینا ہے۔

ورقہ کیسے جانتے تھے؟ پہلی آسمانی کتابوں کے توسط سے کیونکہ ان میں آپ ﷺ کے بارے میں یہ پیشین گوئیاں موجود تھیں۔ جب نبی ﷺ نے سوال کیا کہ کیا بھلا وہ مجھے نکال دیں گے؟ تو انہوں نے کہا: نَعَمْ ہاں ایسا ہی ہوگا۔ وہی آپ کو نکالیں گے۔ ورقہ نے کہا:

"جب بھی کوئی شخص آپ ﷺ کی طرح اللہ تعالیٰ کا کلام لے کر آیا ہے، کبھی ایسا نہیں ہوا کہ اس کے ساتھ یہ معاملہ نہ کیا گیا ہو"۔

جب بھی کوئی لے کر آیا اس کے ساتھ اسی طرح کا معاملہ کیا گیا۔ لوگ اس کے دشمن ہو گئے، مخالف ہو گئے، اُٹھ کھڑے ہوئے۔ یہ حق کی پہچان ہے۔ آپ بھی سچا دین دیکھنا چاہتے ہیں تو آپ بھی اسی طرح پہچان سکتے ہیں کہ کس کی دشمنی کتنی ہے؟ مخالف کتنے لوگ ہیں؟ حمایت سے نہیں، سچے دین کو مخالفت سے پہچانا جاتا ہے۔ پھر ورقہ نے کہا:

وَاِنْ یُدْرِكْنِیْ یَوْمُكَ اَنْصُرْكَ نَصْرًا مُؤَزَّرًا

"اگر مجھے وہ دن مل گئے تو میں آپ ﷺ کی بھرپور مدد کروں گا"۔

اب آپ ذرا کیفیت کا اندازہ لگائیے کہ یہ پہلی وحی ہے۔ پہلی وحی کی پہلی تصدیق حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کر دی۔ دوسری تصدیق ورقہ بن نوفل نے کر دی۔ آئندہ آنے والے حالات کے بارے میں بھی بتا دیا کہ آپ ﷺ کے ساتھ کیا بیتنے والی ہے، آپ ﷺ کیسے حالات میں مبتلا ہونے والے ہیں؟ مجھے ایسا لگتا ہے کہ آج ہمیں بھی ورقہ بن نوفل جیسے جذبات کی ضرورت ہے۔

یَا لَیْتَنِیْ اے کاش کہ مجھے مہلت مل جائے۔

آج مل کر دُعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ زندگی کی اتنی مہلت دے دے کہ اُس کے کلام کو بھرپور انداز میں سیکھنے والے بن جائیں، یہ کلام ہمارے ذہنوں، ہمارے دلوں تک پہنچ جائے اور اس کلام کے توسط سے ہماری زندگی بدل جائے اور اس کے توسط سے ہم اپنے معاشرے کے بگڑے ہوئے حالات سنوارنے والے ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سے اپنی یہ خدمت قبول فرمالے۔

بات ہے علم کی اور علم وہ جو رسول اللہ ﷺ کو ملا۔ آج وہی علم سیکھنے کے لیے میں آپ سے وہی بات کہوں گی:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ [1]

''پڑھو اپنے ربّ کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا''۔

علم کے ساتھ خالق کا بڑا گہرا تعلق ہے۔ خالق کو یاد رکھنے کی بہت زیادہ ضرورت ہے اور علم کے حوالے سے قلم کو نہیں بھولنا۔ جو چیز آپ کا قلم محفوظ کرلے گا وہ آپ کی ہے، جو آپ کے کانوں نے سنا، وہ ہوسکتا ہے توجہ سے سننے کی وجہ سے کچھ دیر تک محفوظ رہے، پھر وہ فائل آہستہ آہستہ مدہم پڑنی شروع ہو جاتی ہے، پھر ذہن خالی ہو جاتا ہے، پھر کچھ بھی باقی نہیں بچتا۔ علم کے میدان میں جب انسان قدم رکھ دیتا ہے، سب سے پہلے کس چیز کی ضرورت ہوتی ہے؟ میں وحی کے علم کے حوالے سے صحیح بخاری کی پہلی حدیث آپ کے سامنے رکھنا چاہتی ہوں جو حسنِ نیت اور ارادے کے بارے میں ہے۔ علقمہ بن لیسی کا بیان ہے کہ میں نے مسجدِ نبوی ﷺ میں منبرِ رسول ﷺ پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبان سے سُنا، وہ فرمارہے تھے کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے سنا، آپ ﷺ نے فرمایا:

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ

''اعمال تو نیتوں سے ہیں''۔

جیسی نیت ویسا عمل، نیت بڑی تو عمل بڑا، نیت چھوٹی تو عمل چھوٹا۔

وَاِنَّمَا لِکُلِّ امْرِیءٍ مَا نَوٰی

''ہر آدمی کو وہی کچھ ملے گا جس کی اس نے نیت کی''۔

یہ اُصول ہے زندگی کا، بہت پختہ اُصول۔ جو آج آپ نیت کریں گے آخری نتیجہ وہی ملے گا۔ نیت کا اِخلاص ضروری ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

فَمَنْ کَانَتْ ھِجْرَتُہٗ اِلَی الدُّنْیَا یُصِیْبُھَا اَوْاِلَی امْرَأَۃٍ یَنْکِحُھَا فَھِجْرَتُہٗ اِلٰی مَا ھَاجَرَ اِلَیْہِ

''اور جو کوئی دنیا کمانے کے لیے یا کسی عورت سے شادی کرنے کے لیے ہجرت کرے گا تو اس کی ہجرت ان ہی کاموں کے لیے ہوگی''۔

دو مثالیں ہمیں اس روایت سے ملتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ اگر ایک انسان کی نیت اتنے بڑے عمل کی ہو، مثلاً ہجرت چھوٹی چیز نہیں ہے، اپنا گھر بار، وطن، سب کچھ چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی خاطر کسی اور علاقے میں جا بسنا یہ سادہ بات نہیں ہے۔ ہجرت اور جہاد، یہ دو چیزیں افضل کاموں میں سے ہیں لیکن افضل ترین اعمال میں سے بھی اگر ایک انسان اپنی نیت کا جائزہ لے تو جو اس نے نیت کی اسے ملے گا تو وہی۔ اگر نیت ہجرت کر کے دنیا کمانے کی ہے جس طرح ہمارے ہاں ہجرت کرتے ہیں، migrate کرتے ہیں، ایک علاقے سے دوسرے علاقے میں جا بستے ہیں، شہریت تبدیل کرتے ہیں تو جس مقصد کے لیے ہجرت کی ہے اسی کے مطابق پھل ملے گا۔ رسول اللہ ﷺ کے دور میں ایک شخص نے ایک خاتون اُمِ قیس سے نکاح کرنے کے لیے ہجرت کی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اتنے clear minded تھے کہ اسے مہاجرِ اُمِ قیس کہتے تھے یعنی باقی لوگوں نے تو اللہ تعالیٰ کی خاطر ہجرت کی اور انہوں

نے اُمِ قیس کی خاطر ہجرت کی ہے۔

میں آپ سے یہ کہنا چاہتی ہوں کہ اسی وقت نیت کرلیں، خالص اور بڑی نیت۔ نیت کو چھوٹا نہ رکھئے گا، اپنی طرف نہ دیکھئے گا، اپنے حالات و واقعات، اپنے مسائل کی طرف نہ دیکھئے گا، دیکھنا ربّ کی طرف ہے۔ مومن کی نظریں ربّ کی طرف لگتی ہیں تو وہ احسان کی روش پر ہوتا ہے، اُمید قائم ہوجاتی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ایک انسان بڑے سے بڑا ارادہ کرلے، بہرحال ہر ارادے کے لیے نظریں ربّ کی طرف لگانا پڑتی ہیں۔ اگر ایک انسان ایسا نہ کرے تو دہشت زدہ ہوجائے، گھبراہٹ میں مبتلا ہوجائے، پریشان ہوجائے، اکیلے اس سے ممکن نہ ہو پائے۔ اس وجہ سے ضرورت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف نظریں لگا دیں۔ ہو سکتا ہے آج آپ میں سے بہت سے افراد ایسے ہوں جو علم کے میدان میں باقاعدہ قدم رکھنے کا فیصلہ کرتے ہوئے گھبرا رہے ہوں، پریشانی محسوس کر رہے ہوں کہ یہ سب کیسے ممکن ہوگا؟ گھر کا کیا بنے گا؟ بچوں کا کیا بنے گا؟ کچھ لوگوں کے ذہن میں یہ ہوسکتا ہے کہ آگے کیا کریں گے؟ یاد کیسے ہوگا؟ ہم کر پائیں گے یا نہیں کر پائیں گے؟ اگر گھر میں مہمان آگئے تو کیا ہوگا؟ مصروفیت ہوگئی تو کیا ہوگا؟ اگر شوہر ناراض ہوگئے تو کیا ہوگا؟ گھر میں سے باقی لوگوں نے تنقید کی پھر کیا ہوگا؟ آپ کا کام ہے نیت کرنا، ارادہ کرنا۔ ارادے کے بعد دوسرا کام ہے دُعا کرنا، باقی معاملات اللہ تعالیٰ کے حوالے کردیں۔ اگر آپ کی نیت خالص ہے تو اللہ تعالیٰ راستے بنائے گا انشاءاللہ تعالیٰ۔

دوسری بات آپ سے یہ کہنا چاہتی ہوں کہ نیت کرتے ہوئے آپ یہ سوچ سکتے ہیں کہ مجھے قرآن کا فہم مل جائے، یہ بھی نیت کرسکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایک ایک آیت پر عمل کرنا نصیب فرمادے اور یہ بھی نیت کرسکتے ہیں کہ یا اللہ! ہمیں ویسا ہی فہم عطا فرمانا اور ویسا ہی کام ہم سے کروالینا جو کام محمد رسول اللہ ﷺ نے کیا تھا۔ جیسے آپ نے انہیں سکھایا ہمیں

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی زندگی کو پوری طرح سے محمد رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے مطابق ڈھالنے کی توفیق عطا فرمادے۔ (آمین)

پہلی وحی کے بعد کیا ہوا؟ رسول اللہ ﷺ تو علم حاصل کرنے کے لیے تیار ہو گئے لیکن آپ ﷺ کے پاس وہ علم نہ آیا۔ کافی دن گزر گئے شاید کئی مہینے۔ اس بارے میں اختلاف ہے۔ ہمیں اس بارے میں جاننے کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ کتنا عرصہ تھا لیکن اتنا ضرور معلوم ہے کہ وہ فترۃ الوحی کا زمانہ تھا۔ آپ ﷺ کی کیفیت اتنی عجیب تھی کہ اس عرصے کے دوران آپ ﷺ کبھی پہاڑ پر چڑھ جاتے تھے کہ اپنے آپ کو نیچے گرالیں کہ وہ فرشتہ کیوں نہیں آتا؟ شوقِ علم میں چاہتے تھے کہ پھر وہ آجائے حالانکہ اُس کے آنے پر آپ ﷺ بہت گھبرائے تھے، آپ ﷺ نے یہ الفاظ کہے تھے:

لَقَدْ خَشِيْتُ عَلٰى نَفْسِىْ

"مجھے میری جان کا ڈر ہے"۔

لیکن اب ورقہ سے ملاقات کے بعد اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی تسلی کے بعد آپ ﷺ چاہتے تھے کہ مجھے وہ علم مل جائے۔ آپ ﷺ کو پتہ چل گیا تھا کہ میرا مقام کیا ہے؟ آپ ﷺ کو سمجھ آ گئی تھی کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے نبی کے طور پر منتخب کرلیا، اللہ تعالیٰ نے نبی بنایا، رسول بنایا۔ اب آپ ﷺ چاہتے تھے کہ دوبارہ علم کا سلسلہ بحال ہو جائے لیکن:

وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ (التکویر:29)

"تمہارے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا مگر جب تک اللہ تعالیٰ نہ چاہے"۔

میں فترۃ الوحی کے زمانہ کے حوالے سے جو بات آپ کے سامنے رکھنا چاہتی ہوں وہ یہ ہے کہ یہ زمانہ اللہ تعالیٰ کی خصوصی ٹریننگ کی وجہ سے آپ ﷺ کے لیے رکھا گیا۔ ایک وحی اور دوسری وحی کے درمیان کا وقفہ کیوں آیا؟ تاکہ آپ ﷺ کا ذہن سیٹ ہو جائے،

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی زندگی کو پوری طرح سے محمد رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے مطابق ڈھالنے کی توفیق عطا فرمادے۔ (آمین)

پہلی وحی کے بعد کیا ہوا؟ رسول اللہ ﷺ تو علم حاصل کرنے کے لیے تیار ہو گئے لیکن آپ ﷺ کے پاس وہ علم نہ آیا۔ کافی دن گزر گئے شاید کئی مہینے۔ اس بارے میں اختلاف ہے۔ ہمیں اس بارے میں جاننے کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ کتنا عرصہ تھا لیکن اتنا ضرور معلوم ہے کہ وہ فترۃ الوحی کا زمانہ تھا۔ آپ ﷺ کی کیفیت اتنی عجیب تھی کہ اس عرصے کے دوران آپ ﷺ کبھی پہاڑ پر چڑھ جاتے تھے کہ اپنے آپ کو نیچے گرالیں کہ وہ فرشتہ کیوں نہیں آتا؟ شوقِ علم میں چاہتے تھے کہ پھر وہ آجائے حالانکہ اُس کے آنے پر آپ ﷺ بہت گھبرائے تھے، آپ ﷺ نے یہ الفاظ کہے تھے:

لَقَدْ خَشِيْتُ عَلٰی نَفْسِیْ

''مجھے میری جان کا ڈر ہے''۔

لیکن اب ورقہ سے ملاقات کے بعد اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی تسلی کے بعد آپ ﷺ چاہتے تھے کہ مجھے وہ علم مل جائے۔ آپ ﷺ کو پتہ چل گیا تھا کہ میرا مقام کیا ہے؟ آپ ﷺ کو سمجھ آگئی تھی کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے نبی کے طور پر منتخب کرلیا، اللہ تعالیٰ نے نبی بنایا، رسول بنایا۔ اب آپ ﷺ چاہتے تھے کہ دوبارہ علم کا سلسلہ بحال ہو جائے لیکن:

وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ (التکویر:29)

''تمہارے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا مگر جب تک اللہ تعالیٰ نہ چاہے''۔

میں فترۃ الوحی کے زمانہ کے حوالے سے جو بات آپ کے سامنے رکھنا چاہتی ہوں وہ یہ ہے کہ یہ زمانہ اللہ تعالیٰ کی خصوصی ٹریننگ کی وجہ سے آپ ﷺ کے لیے رکھا گیا۔ ایک وحی اور دوسری وحی کے درمیان کا وقفہ کیوں آیا؟ تا کہ آپ ﷺ کا ذہن سیٹ ہو جائے،

فرماتے ہیں کہ یہ فرشتہ میرے پاس آیا:

بِحِرَآءٍ ''حرا کی جانب سے''۔

اور آیا کیسے؟ چلتے ہوئے نہیں:

جَالِسٌ عَلٰی کُرْسِيٍّ

''ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا''۔

یہ کرسی بھی زمین پر رکھی ہوئی نہیں تھی:

بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ

''زمین اور آسمان کے درمیان وہ کرسی دھری ہوئی تھی''۔

فَرُعِبْتُ مِنْهُ

ایک بار پھر معصوم دل کانپ گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''میرا دل رُعب کھا گیا''۔ دل دہل گیا۔

فَرَجَعْتُ ''پھر میں واپس آ گیا''۔

فَقُلْتُ زَمِّلُوْنِیْ زَمِّلُوْنِیْ

''اور میں نے کہا: مجھے کچھ اوڑھا دو، مجھے کچھ اوڑھا دو''۔

یہ کیسی کیفیت ہے! زندگی بدلنے کے اُصول مل رہے ہیں۔ ربّ کی طرف سے ہدایات [Instructions] مل رہی ہیں لیکن ہر بار دل گھبرانے لگتا ہے، ہر بار دل پریشان ہو رہا ہے اور پھر آپ ﷺ لیٹے ہوئے تھے، نہ کسی کو دروازہ کھٹکھٹانے کی ضرورت تھی، نہ کسی سے اجازت لینے کی، ایک صدا آئی:

يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ [1] قُمْ فَاَنْذِرْ [2] (المدثر)

''اے اوڑھنے لپیٹنے والے! اٹھو پھر لوگوں کو ڈرا دو''۔

فرماتے ہیں کہ یہ فرشتہ میرے پاس آیا:

بِحِرَآءٍ "حرا کی جانب سے"۔

اور آیا کیسے؟ چلتے ہوئے نہیں:

جَالِسٌ عَلٰی کُرْسِيٍّ

"ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا"۔

یہ کرسی بھی زمین پر رکھی ہوئی نہیں تھی:

بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ

"زمین اور آسمان کے درمیان وہ کرسی دھری ہوئی تھی"۔

فَرُعِبْتُ مِنْهُ

ایک بار پھر معصوم دل کانپ گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"میرا دل رُعب کھا گیا"۔ دل دہل گیا۔

فَرَجَعْتُ "پھر میں واپس آ گیا"۔

فَقُلْتُ زَمِّلُوْنِیْ زَمِّلُوْنِیْ

"اور میں نے کہا: مجھے کچھ اوڑھا دو، مجھے کچھ اوڑھا دو"۔

یہ کیسی کیفیت ہے! زندگی بدلنے کے اُصول مل رہے ہیں۔ ربّ کی طرف سے ہدایات [Instructions] مل رہی ہیں لیکن ہر بار دل گھبرانے لگتا ہے، ہر بار دل پریشان ہو رہا ہے اور پھر آپ ﷺ لیٹے ہوئے تھے، نہ کسی کو دروازہ کھٹکھٹانے کی ضرورت تھی، نہ کسی سے اجازت لینے کی، ایک صدا آئی:

یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ [1] قُمْ فَاَنْذِرْ [2] (المدثر)

"اے اوڑھنے لپیٹنے والے! اٹھو پھر لوگوں کو ڈرا دو"۔

آپ ﷺ کہاں آرام کرنے لگے؟ آرام کا وقت گیا، بہت دن گزر گئے آپ ﷺ کی زندگی کے اس کلام کے بغیر:

قُمْ "اُٹھو"!

کیسا پیار ہے! کیسی محبت ہے اور کیسے آپ ﷺ کو تیار کیا جا رہا ہے! اور بات صرف اتنی نہیں ہے کہ یہ وحی صرف محمد رسول اللہ ﷺ کے لیے آئی تھی۔ علم کے یہی مراحل ہیں: اِقْرَأْ کے بعد قُم ہی ہوگا، جب پڑھیں گے تو پھر اٹھ کھڑے ہوں گے انشاء اللہ تعالیٰ کیونکہ یہ محمد رسول اللہ ﷺ کا طریقہ ہے۔

قُمْ فَاَنْذِرْ

"اُٹھو اور پھر لوگوں کو ڈرا دو"۔

آپ ﷺ سے کہا گیا:

وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ (المدثر:3)

"اپنے ربّ کی بڑائی بیان کرو"۔

یہ ہیں کرنے کے کام۔ حصولِ علم کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو طریقۂ کار بتایا ہے وہ کیا ہے؟ کہ اب خوف نہیں کھانا، رُعب نہیں کھانا، ڈرنا نہیں ہے اور پریشان ہو کر کمبل اوڑھ کر سونا نہیں ہے۔ آپ ﷺ اٹھو اور ڈرا دو! warn کر دو! تنبیہ کر دو! لوگوں تک یہ پیغام پہنچا دو!

وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ

"اپنے ربّ کی بڑائی بیان کرو"۔

اس لیے کہ وحی آئی ہی اسی مقصد کے لیے ہے کہ انسان اپنی بڑائی سے نکل کر ربّ کی بڑائی کو پالے۔ انا پرست انسان کو کیسے خدا پرست بنایا گیا ہے! محمد رسول اللہ ﷺ کے اندر انا پرستی نہیں تھی لیکن ہم تو اپنی بات کر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سے اپنی بڑائی کیوں بیان

کروانا چاہتا ہے؟ اگلی ہدایت آ گئی:

وَثِیَابَکَ فَطَھِّرْ (المدثر:4)

''اپنے کپڑے پاک رکھو''۔

کپڑوں سے یہاں کیا مراد ہے؟ محض ظاہری لباس نہیں ہے، انسان کا کردار بھی ہے۔ اپنے جسم کی حد تک کپڑے تو ہم اپنی مرضی کے پہنتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ انسان ایسے افعال اپنائے، ایسے رویے اپنائے جن کی وجہ سے وہ پاکیزگی کا نمونہ بن جائے۔

اِقْرَاْ کے بعد قُمْ، قُمْ کے بعد فَکَبِّرْ اپنے ربّ کی بڑائی بیان کرنی ہے اور پھر کیا؟ قُمْ فَاَنْذِرْ کے بعد وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ وَثِیَابَکَ فَطَھِّرْ۔ اپنے اَخلاق درست کرنے کی کوشش کرنی ہے، اپنا کردار درست کرنے کی کوشش کرنی ہے۔ جیسے جسم کا لباس ہے جو آپ نے پہن رکھا ہے ایسے ہی روح کا لباس تقویٰ ہے، اللہ تعالیٰ کا ڈر۔ اپنے دل کے اندر اللہ تعالیٰ کا ڈر پیدا کرو، باقی ہر ایک کا ڈر نکال دو۔ رُعب کھایا ہوا دل ہے لہٰذا آپ ﷺ کو تلقین کی گئی کہ اب آپ ﷺ نے اپنے آپ کو پاک رکھنا ہے۔

وَالرُّجْزَ فَاھْجُرْ (المدثر:5)

''اور گندگی سے اجتناب کرو''۔

گندگی سے اجتناب کرنے سے کیا مراد ہے؟ یعنی ہر طرح کی گندگی، ظاہری بھی اور باطنی بھی۔ زبان گندی ہو جاتی ہے جب اس سے غیبت ہوتی ہے، جھوٹ بولا جاتا ہے، جب زبان سے طعنہ دیا جاتا ہے، لعنت ملامت کی جاتی ہے، برا بھلا کہا جاتا ہے۔

وَالرُّجْزَ فَاھْجُرْ

''اور گندگی سے اجتناب کرو''۔

اگر کلام سیکھنا ہے، اللہ تعالیٰ کے کلام کی طرف آئے ہیں تو راستہ وہی ہے جو محمد رسول اللہ

ﷺ کے کلام سیکھنے کا راستہ ہے۔اپنی نوٹ بک کے پہلے page پر یہی آیات جلی حروف میں لکھ لیں:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ (العلق:1)

اور دوسری ہدایت ہے:

قُمْ فَاَنْذِرْ [2]وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ [3]وَثِیَابَکَ فَطَهِّرْ [4]وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ [5]

کیونکہ جب تک انسان اپنے اندر سے گندگی کو نہیں نکالتا، روشنی کو جگہ نہیں ملتی۔اپنی فکر کرلو، اپنے آپ کو گندگی سے بچالو، گندگی سے ایک طرف رہو۔میں نے زبان کی مثال دی ہے۔بات صرف زبان ہی کی نہیں آنکھ کی بھی ہے لہٰذا آنکھ کو بچالو۔جب نظر وہ کچھ دیکھتی ہے جو نہیں دیکھنا چاہئے تو نظر گندی ہو جاتی ہے اور نظر گندی ہو تو دل بھی گندا ہو جاتا ہے، نظر پاک ہو تو دل بھی پاک ہو جاتا ہے۔نظر کی گندگی سے اجتناب کرنا ہے، کان سنتے ہیں اور وہ باتیں سُن لیتے ہیں جو دل کو گندا کر دیتی ہیں، زبان کو گندا کر دیتی ہیں تو کانوں سے ایسی چیزیں نہیں سننی جن کی وجہ سے دل گندا ہو جائے، جن کی وجہ سے اعمال خراب ہو جائیں۔اسی طرح ذہن کے اندر جو تصویر بن جاتی ہے، جو کچھ ایک دفعہ حصولِ علم کے ذرائع مثلاً کان، آنکھ سے ذہن میں محفوظ کر لیتے ہیں پھر وہ مٹتا نہیں ہے، ذہن سوچتا ہے، پھر وہ اور بہت کچھ خیالی تصویریں بناتا چلا جاتا ہے اور دل متاثر ہو جاتا ہے لہٰذا

وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ

"گندگی سے اجتناب کرو"۔

علم اور گندگی دونوں ایک ساتھ نہیں رہ سکتے لہٰذا یہ کام چھوڑ دو۔یہ بات اپنے ذہن میں رکھئے گا محمد رسول اللہ ﷺ کا راستہ یہی ہے۔اس راستے پہ چلنے کے بعد آپ بھی علم کی روشنی کو اپنے اندر جگہ دے سکتے ہیں۔اپنے وجود کو، اپنے ذہن کو، اپنے دل کو، اور اپنے

معاشرے کو روشن کر سکتے ہیں، جگمگاتے چراغ بن سکتے ہیں۔ جیسے محمد رسول اللہ ﷺ نے اس طریقے کو اپنایا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ ﷺ تو سراجِ منیر ہیں کہ آپ ﷺ تو ہدایت کے آسمان کے آفتاب ہیں، چمکتے ہوئے سورج کی طرح ہیں۔ آج آپ نیت کر لیں کہ کیسی روشنی بننا ہے؟ candle light یا tube light کی طرح کی روشنی یا اس سے بھی زیادہ بڑی روشنی؟ دیکھیں! سورج روشن ہو تو زمین کا کتنا کثیر حصہ روشن ہو جاتا ہے! آپ اپنے لیے آج ہی نیت کر لیں، طے کر لیں کہ کیا کرنا ہے؟

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد وحی تیزی کے ساتھ پے در پے آنے لگی۔ وحی کا علم حاصل کرنے کا اُصول تو یہی ہے، فترۃ الوحی کا زمانہ آتا ہے۔ فترۃ الوحی کے بعد اگلی حدیث جو سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جو انہوں نے ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے کلامِ الٰہی کی تفسیر کے سلسلے میں سنی کہ رسول اللہ ﷺ نزول قرآن کے وقت بہت سختی محسوس فرمایا کرتے تھے اور اس کی علامتوں میں سے ایک یہ تھی کہ یاد کرنے کے لیے آپ ﷺ اپنے ہونٹوں کو ہلاتے تھے۔ یاد کرنے کے لیے کیا اپنے ہونٹوں کو ہلانا سختی کا باعث ہوتا ہے؟ میرے اور آپ کے لیے نہیں لیکن نبی ﷺ کے لیے سختی کا باعث تھا کیوں؟ میں نزولِ وحی کی کچھ کیفیات آپ کے سامنے رکھنا چاہتی ہوں تا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے کرم پر اللہ کا شکر ادا کرنے کے قابل ہو جائیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے کتنی آسانی رکھی ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ''رسول اللہ ﷺ پر جب وحی نازل ہوتی تھی سخت سردی کے موسم میں آپ ﷺ کے ماتھے پر پسینے کے قطرے نمودار ہو جاتے تھے۔'' (صحیح بخاری:2)

حضرت اسماء بنتِ یزید رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ پر وحی نازل ہوئی اس حالت میں کہ آپ ﷺ اونٹنی پر سوار تھے اور لگتا تھا کہ اونٹنی کی ہڈیاں سرمہ ہو

جائیں گی۔ وہ ایسی تکلیف محسوس کر رہی تھی کہ گویا تڑپ تڑپ کر اس کی ایک ایک چیز الگ ہو جائے گی اور گوشت کا ریزہ ریزہ الگ ہو جائے گا۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پر وحی کی کیفیت طاری ہوئی، آپ ﷺ کا سر میری ران پر تھا اور مجھے لگتا تھا کہ میری ران کی ہڈیاں ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گی"۔

ایسا کیوں تھا کہ آپ ﷺ پر وحی نازل ہوتی تھی اور آپ ﷺ اتنی سختی محسوس کرتے تھے؟ بات یہ ہے کہ ہم کانوں سے سنتے ہیں، آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور علم حاصل کرتے ہیں۔ یہ معاملہ ہے مادی علوم کو حاصل کرنے کا اور اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے آسانی کر دی کہ ہم قرآنِ حکیم کو بھی دوسرے علوم کی طرح حاصل کر سکتے ہیں لیکن رسول اللہ ﷺ کی کیفیت ہماری طرح نہیں ہوتی تھی۔ پھر آپ ﷺ کی کیفیت کیسی ہوتی تھی؟ لوگوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کہا کہ جب رسول اللہ ﷺ پر وحی کی کیفیت طاری ہو تو آپ ہمیں بتایئے گا، ہم دیکھنا چاہتے ہیں۔ آپ ﷺ اپنے کسی سفر میں تھے۔ اس موقع پر آپ ﷺ پر وحی کی کیفیت طاری ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آگے پردہ کر دیا۔ پھر اس شخص کو بلایا گیا جس نے تمنا ظاہر کی تھی۔ آپ ﷺ کی کیفیت ایسی تھی جیسے کوئی انسان نیند کی سی کیفیت میں ہوتا ہے حتیٰ کہ آپ ﷺ کے خراٹوں کی آواز آ رہی تھی اور آپ ﷺ پر وحی نازل ہو رہی تھی۔ جب وحی نازل ہو چکی تو آپ ﷺ مسکراتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے اور آپ ﷺ نے وہ آیات سنائیں جو آپ ﷺ پر نازل ہوئی تھیں۔

آپ ﷺ کا ایک اور فرمان آپ کے سامنے رکھنا چاہتی ہوں تا کہ آپ جان سکیں کہ آپ ﷺ کی کیفیت کیا ہوا کرتی تھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

"میری آنکھیں سوتی ہیں لیکن دل جاگتا ہے"۔ (صحیح بخاری:3569)

دل کے جاگنے سے کیا مراد ہے؟ کہ دِل ہر وقت اخذِ وحی کے لیے تیار رہتا ہے اور یہ آنکھوں کا سونا اور دِل کا جاگنا ایک عجیب کیفیت ہے۔ایک وقت میں جب ہم سوتے ہیں، ہمارا دل بھی سوتا ہے، ہماری آنکھیں بھی سوتی ہیں۔ دِل سے مراد خون پمپ کرنے والا دِل نہیں ہے بلکہ عقل، فہم اور اِدراک کی قوتیں ہیں۔ آپ ﷺ پر جب وحی نازل ہوتی تھی تو آپ ﷺ سیکھنے کے لیے ہمہ تن متوجہ ہوتے تھے اور جس وقت آپ ﷺ ایک روحانی کیفیت میں ہوتے تھے تو مادی کیفیات سے منقطع ہو چکے ہوتے تھے۔اس وقت جب آپ ﷺ ہونٹ ہلاتے تھے تو آپ ﷺ کو بہت تکلیف ہوا کرتی تھی۔ یہ مشقت تھی۔ جیسے آپ کبھی خواب دیکھتے ہیں تو خواب میں اگر آپ بول رہے ہوں تو آپ کو کیسا لگتا ہے؟ یا ہاتھ ہلا رہے ہوں تو آپ کو کیسا لگتا ہے؟ تکلیف کی وجہ سے ایسا لگتا ہے کہ جیسے آپ نے پہاڑ اُٹھا لیا ہو۔ آپ ﷺ اس طرح سختی محسوس کرتے تھے اور اس کے برعکس اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے کتنی آسانیاں پیدا کر دی ہیں الحمدللہ رب العالمین۔

ابنِ عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے ہونٹ ہلاتا ہوں جس طرح آپ ﷺ ہلاتے تھے۔ سعید رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں بھی اپنے ہونٹ ہلاتا ہوں جس طرح میں نے ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کو ہلاتے دیکھا، پھر انہوں نے اپنے ہونٹ ہلائے، پھر یہ آیت اُتری کہ: ''اے محمد ﷺ! قرآن کو جلد جلد یاد کرنے کے لیے اپنی زبان نہ ہلاؤ اس کا جمع کر دینا اور پڑھوا دینا ہمارے ذمہ ہے''۔ (بخاری:5)

ابنِ عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''یعنی قرآن آپ ﷺ کے دل میں جما دینا اور پڑھوا دینا ہمارے ذمہ ہے''۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ سارے کام اپنے ذمہ لے لیے۔ فرمایا کہ آپ ﷺ کو پڑھوانا، آپ ﷺ کو یاد کروا دینا یہ ہماری ذمہ داری ہے اس لیے آپ ﷺ ہونٹ نہ ہلایا

کریں۔ابنِ عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ اسے خاموشی کے ساتھ سنتے رہیں''۔

یہ ادب رسول اللہ ﷺ کے لیے بھی تھا اور ہمارے لیے بھی ہے کہ جب علم کی بات سنائی جا رہی ہو، پھر ہونٹ نہیں ہلانے۔ یہ محمد رسول اللہ ﷺ کی اتباع ہے۔اگر آج آپ طے کرلیں گے تو علم کی مجلس میں ہمیشہ آپ کو خاموش رہنے پر اجر ملے گا انشاء اللہ تعالیٰ اور یہاں راویٔ حدیث ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے کیا اَخذ کیا؟ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کو ترجمانُ القرآن کہا جاتا ہے۔اللہ کے رسول ﷺ نے ان کے حق میں دُعا کی تھی کہ اے اللہ! انہیں دین کا سچا فہم نصیب فرمایئے تو انہوں نے کہا کہ اس کا مطلب یہ تھا کہ آپ اس کو خاموشی سے سنتے رہیں تو یوں ہمیں علم کی مجلس کے اَدب کا پتہ چلتا ہے کہ اس مجلس میں مکمل خاموشی ہو،انسان زبان نہیں کھولے گا اور خاموشی سے مراد صرف زبان کی خاموشی نہیں ہے، اعضاء کی خاموشی بھی ہے۔یعنی ایک انسان پرسکون رہے گا۔ ہلنا جلنا، نظروں کو ادھر ادھر لگانا، ادھر ادھر کی سوچ کو ذہن میں رکھنا یہ آداب کے خلاف ہے۔اللہ تعالیٰ سے جب مدد مانگیں گے انشاء اللہ تعالیٰ مدد ملے گی۔ اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ ﷺ سے یہ وعدہ کیا کہ اس کے بعد اس کا مطلب سمجھا دینا ہماری ذمہ داری ہے۔لہٰذا علم حاصل کرنے والے کی ذمہ داریاں ہمیں پتہ چلتی ہیں۔خاموشی اور توجہ کے ساتھ غور سے سننا ہے۔یہاں سے ہمیں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ علم کے میدان میں سختیاں برداشت کرنی پڑتی ہیں جیسے رسول اللہ ﷺ نے برداشت کیں،آپ ﷺ کا شوق بھی ہمیں پتہ چلتا ہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا:

وَالشَّوْقُ مَرْكَبِىْ (رحمۃ للعالمین ﷺ)

''شوق تو میری سواری ہے''۔

آپ کے دل کے اندر بھی علم کا جتنا شوق پیدا ہوگا آپ اتنا ہی تیزی سے سیکھنے کا سفر

کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔ دنیا میں مختلف نوعیت کی سواریاں ہوتی ہیں، اب آپ چاہیں تو علمی میدان میں کسی گدھا گاڑی پہ بیٹھ جائیں یا کسی راکٹ پہ بیٹھ جائیں، یہ آپ کے اپنے بس میں ہے کہ آپ تیز رفتار گاڑی پہ بیٹھتے ہیں یا کسی سُست رفتار گاڑی پہ بیٹھ جاتے ہیں۔ شوق سے ہی آپ آگے بڑھیں گے۔ علم کے میدان میں اس شوق کو پیدا کرنے کے لیے انبیاء علیہم السلام کی زندگیوں کے بارے میں جاننا، پھر ان کی وحی سے محبت، اس تعلیم کے لیے جو کوششیں انہوں نے کیں، یہ جاننا ہمارے لیے بہت زیادہ ضروری ہے۔ ہم اس ٹرانس میں آجائیں تاکہ ہمارے اندر بھی وہی ذوق وشوق پیدا ہو جائے، ہم بھی اسی طرح توجہ دیں، ہم بھی اسی طرح خاموشی سے سنیں اور ہم بھی اسی طرح محنت کریں، سختیاں برداشت کریں۔ ایک صاحب کے بارے میں ہمیں ملتا ہے کہ جب وہ علم حاصل کرنے کے لیے اپنے گھر سے نکلے تو ان کی والدہ نے ان کو سونان دے دیے اور وہ کہتے ہیں کہ میں ہر روز دجلہ کے پانی میں نان کو بھگو لیتا تھا، یہی میرا سالن تھا اور یہی پانی۔ اس طرح مجھے کھانے پینے کی مصروفیات میں وقت ضائع نہیں کرنا پڑتا تھا تو علم کے لیے وقت بچانا پڑتا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کے بارے میں ہمیں پتہ چلتا ہے کہ چالیس برس تک انہوں نے سالن نہیں استعمال کیا اور ان کے پاس کپڑوں کا فقط ایک جوڑا تھا۔ جتنی زیادہ انسان کی دوسری مصروفیات بڑھ جاتی ہیں علم سے دُوری بھی اُتنی بڑھ جاتی ہے۔

> ”جبرائیل علیہ السلام جب وحی لے کر آتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم توجہ سے سنتے تھے۔ راویٔ حدیث کہتے ہیں کہ جب وہ چلے جاتے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وحی کو اسی طرح پڑھتے جس طرح جبرائیل علیہ السلام نے اسے پڑھا ہوتا“۔ (صحیح بخاری: 5)

جو پڑھا ہے، ذاتی طور پر اس کو revise کرنا بہت زیادہ ضروری ہے۔ جو بھی آپ پڑھیں اس کو revise ضرور کریں۔ اگر revise نہیں کرتے تو یہ خیانت ہے، یہ علمی رویہ

نہیں ہے۔رسول اللہ ﷺ کیسے علم حاصل کرتے تھے؟اس کو ہم نے اس حدیث کے توسط سے دیکھا،توجہ،شوق،خاموشی اور سختیاں برداشت کرنا ضروری ہے،محنت کرنا ہے اور بڑی بات ہے follow کرنا جیسے حضرت جبرائیل علیہ السلام پڑھتے تھے آپ ﷺ بھی ویسے ہی پڑھا کرتے تھے۔لہٰذا علم کے میدان میں بھی follow کرنا ضروری ہے کیونکہ ابتدائی دور میں انسان کو پتہ نہیں ہوتا کہ اس نے کیسے آگے جانا ہے؟جب انسان سیکھ جائے پھر اس کے لیے آسانی ہے،پھر وہ independently بھی آگے بڑھ سکتا ہے لیکن جب تک آپ علم حاصل کر رہے ہیں تو آپ رسول اللہ ﷺ کے اس طریقے کو ضرور اپنائیں،follow کریں، follow کرنا بہت ضروری ہے۔

شیطان انسان کو ہمیشہ اس راستے پہ لگاتا ہے کہ creativity کے لئے آپ آگے بڑھ کر کوئی اور راستہ تلاش کریں۔جہاں پر آپ نئے راستے تلاش کرنے لگیں گے وہاں علم کی بات اور پیچھے چلی جائے گی،follow کرنے میں ہی آپ کے لیے آسانیاں ہیں انشاءاللہ۔ لہٰذا revise کرنا ہے اور revise کیوں کرنا ہے؟اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب ﷺ سے کہا تھا:

اِنَّا سَنُلۡقِیۡ عَلَیۡکَ قَوۡلًا ثَقِیۡلًا (المزمل:5)

''ہم آپ ﷺ پر ایک بھاری کلام نازل کرنے والے ہیں''۔

بھاری کلام کی بھاری ذمہ داریاں۔یہ اتنی بھاری نہیں ہوتیں کہ ان کے بوجھ تلے انسان دب کر رہ جائے لیکن inteligently انسان پلان کرلے تو آسانیاں ہو جاتی ہیں۔

محمد رسول اللہ ﷺ کا ایک اور علمی رویہ آپ کے سامنے رکھنا چاہتی ہوں۔یہ صحیح بخاری کی چھٹی روایت ہے۔حضرت عبداللہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَجْوَدَ النَّاسِ وَكَانَ اَجْوَدُ مَا يَكُوْنُ فِي

رَمَضَانَ حِیْنَ یَلْقَاهُ جِبْرِیْلُ وَکَانَ یَلْقَاهُ فِیْ کُلِّ لَیْلَةٍ مِّنْ رَّمَضَانَ فَیُدَارِسُهُ الْقُرْآنَ فَلَرَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَجْوَدُ بِالْخَیْرِ مِنَ الرِّیْحِ الْمُرْسَلَةِ

''اللہ کے رسول اللہ ﷺ اجود الناس یعنی سب لوگوں سے زیادہ سخی تھے اور آپ ﷺ کی سخاوت رمضان میں تو بہت زیادہ ہو جاتی تھی جب وہ حضرت جبرائیل علیہ السلام سے ملا کرتے تھے''۔

ملاقات کے وقت کی بات ہے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام کیا لے کر آتے تھے؟ وحی، علم۔ رسول اللہ ﷺ کتنے علم دوست تھے! کیسی محبت تھی آپ ﷺ کو اس کلام کے ساتھ! جو کلام لانے والا تھا اس سے ملاقات کے وقت آپ ﷺ کتنے سخی ہو جاتے تھے! کتنی سخاوت کرتے تھے! یہ سخاوت کب کب کرتے تھے؟ اور ملاقات کب ہوتی تھی؟ رمضان کی ہر رات میں یہ ملاقات ہوتی تھی۔ پھر وہ رسول اللہ ﷺ کو قرآن revise کرواتے تھے۔ اس سے ہمیں ایک اور بات کا پتہ چلتا ہے کہ دہرایا جا سکتا ہے لیکن رات کو دہرانا رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔ رات کو revise کرنا کس اعتبار سے مؤثر رہتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّ نَاشِئَةَ الَّیْلِ هِیَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِیْلًا [6] اِنَّ لَکَ فِی النَّهَارِ سَبْحًا طَوِیْلًا [7](المزمل)

''تمہارے لیے دن میں تو لمبی چوڑی مصروفیات ہیں، رات کا جاگنا نفس کو کچلنے کے لیے بہترین اور بات کو سیدھا رکھنے کے لیے بہت ضروری ہے''۔

رات کا وقت، کچھ حصہ اپنا ذاتی [personal] ٹائم ہے اپنی نیند میں سے نکالیں، نیند سے نکالا ہوا ٹائم آپ کے ذہن کے دروازے کھولنے میں معاون ثابت ہوگا انشاءاللہ تعالیٰ۔ آسانی پیدا ہوگی، توجہ زیادہ ہو سکتی ہے، شور کم ہوتا ہے اور یہ ذاتی وقت ہے، کسی کو اعتراض

بھی نہیں ہوگا، انشاء اللہ تعالیٰ کسی جانب سے کسی نوعیت کی کوئی پرابلم نہیں ہوگی۔

رسول اللہ ﷺ کے اوقات کار ہم دیکھ رہے ہیں آپ ﷺ علم کیسے سیکھا کرتے تھے؟ جبرائیل علیہ السلام جب آتے تھے آپ ﷺ کی کیسی کیفیت ہو جاتی تھی؟ استاد اور شاگرد کے تعلق کا بھی پتہ چلتا ہے۔ ملاقات کے لیے بے چینی اور ملاقات کے وقت سخاوت اور جہاں ہمیں یہ پتہ چل رہا ہے کہ آپ ﷺ کی زندگی میں تبدیلی کا آغاز کیسے ہوا؟ وہاں پر میں آپ کے سامنے وہ حدیث بھی رکھنا چاہتی ہوں کہ آپ ﷺ کے دشمن بھی آپ ﷺ کی شخصیت کے کیسے معترف ہو گئے! علم نے کیسا انقلاب پیدا کر دیا آپ ﷺ کی شخصیت میں! یہ صحیح بخاری کی ساتویں روایت ہے:

حضرت عبداللہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے یہ واقعہ بیان کیا کہ ہرقل شاہِ روم نے ان کو قریش کے اور کئی سرداروں کے ساتھ بلا بھیجا اور یہ قریش کے لوگ اس وقت شام کے ملک میں سوداگری کے لیے گئے ہوئے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جس میں آنحضور ﷺ نے ابوسفیان اور قریش کے کافروں کو (صلح کر کے) ایک مدت دی تھی۔ (جب صلح حدیبیہ میں جنگ بندی کا حکم دیا تھا) ہرقل اور اس کے ساتھی ایلیا میں تھے۔ ہرقل نے ان کو اپنے دربار میں بلایا اور اُس کے اردگرد روم کے رئیس بیٹھے تھے۔ پھر ان کو (پاس) بلایا اور اپنے مترجم کو بھی بلا لیا۔ وہ کہنے لگا: ''تم میں سے کون اس شخص کا قریبی رشتہ دار ہے جو اپنے تئیں پیغمبر کہتا ہے''؟ ابوسفیان نے کہا: ''میں اس شخص کا قریب کا رشتہ دار ہوں''۔ تب ہرقل نے کہا: ''اچھا اس کو میرے پاس لاؤ اور اس کے ساتھیوں کو بھی (اس کے) نزدیک رکھو۔'' (ابوسفیان تب تک ایمان نہیں لائے تھے) پھر اپنے مترجم سے کہنے لگا: ''ان لوگوں سے کہہ دو کہ میں اس سے (ابوسفیان

سے)اس شخص کا (پیغمبر کا) کچھ حال پوچھتا ہوں۔اگر یہ مجھ سے جھوٹ بولے تو تم کہہ دینا جھوٹا ہے۔ابوسفیان نے کہا: ''قسم خدا کی! اگر مجھ کو یہ شرم نہ ہوتی کہ یہ لوگ مجھ کو جھوٹا کہیں گے تو میں آپ ﷺ کے بارے میں جھوٹ کہہ دیتا۔

(یعنی آپ ﷺ کی ذات پر کوئی نہ کوئی تہمت ضرور لگا دیتا لیکن اللہ تعالیٰ حفاظت کرنے والا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے پاک کلام میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے داعیوں کی خود حفاظت کرتا ہے۔جو اللہ کی طرف بلاتے ہیں اللہ تعالیٰ کیسے ان کے کردار کی حفاظت کرتے ہیں!)

ابوسفیان کہتے ہیں کہ: ''پہلی بات جو اس نے مجھ سے پوچھی وہ یہ تھی کہ اس شخص کا تم میں خاندان کیسا ہے؟'' میں نے کہا کہ ''اس کا خاندان تو ہم میں بڑا ہے''۔کہنے لگا: ''اچھا پھر یہ بات (کہ میں پیغمبر ہوں) اس سے پہلے تم لوگوں میں سے کسی نے کہی تھی''؟ میں نے کہا: ''نہیں''۔کہنے لگا: ''اچھا اس کے بزرگوں میں کوئی بادشاہ گزرا ہے''؟ میں نے کہا: ''نہیں''۔کہنے لگا: ''اچھا بڑے آدمی (امیر لوگ) اس کی پیروی کر رہے ہیں یا غریب لوگ''؟ میں نے کہا: ''نہیں بلکہ غریب لوگ''۔کہنے لگا: ''اس کے تابعدار لوگ (روز بروز) بڑھتے جاتے ہیں یا گھٹتے جاتے ہیں''؟ میں نے کہا: ''نہیں بڑھتے جاتے ہیں''۔کہنے لگا: ''اچھا پھر کوئی ان میں سے ایمان لا کر اس دین کو برا سمجھ کر پھر جاتا ہے''؟ میں نے کہا: ''نہیں''۔کہنے لگا: ''یہ بات جو اس نے کہی (کہ میں پیغمبر ہوں) اس سے پہلے کبھی تم نے اس کو جھوٹ بولتے دیکھا''؟ میں نے کہا: ''نہیں''۔کہنے لگا: ''اچھا وہ عہد شکنی کرتا ہے''؟ میں نے کہا: ''نہیں اب ہماری اس سے (صلح

کی) ایک مدت ٹھہری ہے، معلوم نہیں اس میں وہ کیا کرتا ہے''؟ ابوسفیان نے کہا: ''مجھ کو کوئی اور بات اس میں شریک کرنے کا موقع نہیں ملا بجز اس بات کے''۔ ہرقل کہنے لگا: ''اچھا تم اس سے (کبھی) لڑے''؟ میں نے کہا: ''ہاں''۔ کہنے لگا: ''پھر تمہاری اور اس کے لڑائی کیسے ہوتی ہے''؟ میں نے کہا: ''ہم میں اور اس میں لڑائی ڈولوں کی طرح ہوتی ہے، وہ ہمارا نقصان کرتا ہے اور ہم اس کا نقصان کرتے ہیں''۔ کہنے لگا: ''اچھا وہ تم کو کیا حکم کرتا ہے''؟ میں نے کہا: ''وہ یہ کہتا ہے: بس اکیلے اللہ ہی کو پوجو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بناؤ اور اپنے باپ دادا کی (شرک کی) باتیں چھوڑ دو اور ہم کو نماز پڑھنے، سچ بولنے، (حرام کاری) سے بچنے اور ناتا جوڑنے کا حکم دیتا ہے''۔

تب ہرقل نے مترجم سے کہا: ''اس شخص سے کہہ دو کہ میں نے تجھ سے اس کا خاندان پوچھا تو تم نے کہا: وہ ہم میں عالی خاندان ہے اور پیغمبر (ہمیشہ) اپنی قوم میں عالی خاندان ہی بھیجے جاتے ہیں''۔ (ہرقل نے تحقیق کی۔ ہرقل عقلمند انسان تھا اور ہمیشہ عقل والے لوگ تحقیق کرتے ہیں اور نادان لوگ بغیر تحقیق کے دوسروں کی باتیں مان لیتے ہیں۔ ہرقل کے پاس رسول اللہ ﷺ کا خط پہنچا تھا اس لیے اس نے تحقیق کرنی چاہی تھی۔) ''اور میں نے تم سے پوچھا: یہ بات تم لوگوں میں اس سے پہلے کسی نے کہی تھی؟ تو تم نے کہا نہیں، اس سے میرا مطلب یہ تھا کہ اگر اس سے پہلے دوسرے کسی نے یہ بات کی ہوتی (پیغمبری کا دعویٰ کیا ہوتا) تب میں یہ کہتا یہ شخص اگلی بات کی پیروی کرتا ہے اور میں نے تجھ سے پوچھا کہ اس کے بزرگوں میں کوئی شخص بادشاہ گزرا ہے؟ (دو باتوں سے اس نے کیا ثابت کیا کہ بات دراصل سچ ہے۔ یعنی محمد ﷺ کی صداقت کی گواہی

کہ اللہ کو پوجو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ اور بت پرستی سے تم کو منع کرتا ہے اور نماز اور سچائی کا اور (حرام کاری سے) بچے رہنے کا حکم دیتا ہے۔ پھر جو تو کہتا ہے اگر سچ ہے تو وہ عنقریب اس جگہ کا مالک ہو جائے گا جہاں میرے یہ دونوں پاؤں ہیں (یعنی شام کے ملک کا)''۔

(تحقیق کا نتیجہ کیا نکلا؟ دشمن کی زبان سے اعتراف ہے کہ جہاں میں ہوں، اگر یہ باتیں سچی ہیں تو پھر میرا قبضہ یہاں نہیں رہے گا۔ یہ ایک دشمنِ رسول ﷺ ہے جو اقرار کر رہا ہے کہ:

''اور میں یہ جانتا تھا کہ یہ پیغمبر آنے والا ہے لیکن میں نہیں سمجھتا تھا کہ وہ تم میں سے ہوگا۔''

(ہرقل نے سچائی کو پالیا لیکن گروہ بندی میں مبتلا ہونے کی وجہ سے کہ وہ نبی ﷺ بنی اسرائیل میں سے نہیں ہے اس وجہ سے اس کی بات کیسے قبول کر لیں؟ ہرقل اندر سے یہ چاہتا تھا کہ میں یہ قبول کر لوں لیکن ایک رکاوٹ جو بنی وہ فقط یہی تھی)۔

پھر ہرقل نے خواہش ظاہر کی کہ ''اگر میں جانوں کہ میں اس تک پہنچ جاؤں گا تو اس سے ملنے کی ضرور کوشش کرتا اور راستے کی ہر مشقت اٹھاتا''۔

(اس سے ہمیں ایک اور سبق ملتا ہے۔ کہ علم کے حصول کے لیے راستے کی مشقتیں ہوں مال لگانا ہو یا اس کے لیے اذیتیں برداشت کرنی ہوں بہر حال خوش دلی کے ساتھ برداشت کرنی چاہئیں۔

ہرقل نے کہا: ''اور اگر میں اس کے پاس (مدینہ میں) ہوتا تو اس کے پاؤں دھوتا''۔

کہ اللہ کو پوجو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ اور بت پرستی سے تم کو منع کرتا ہے اور نماز اور سچائی کا اور (حرام کاری سے) بچے رہنے کا حکم دیتا ہے۔
پھر جو تو کہتا ہے اگر سچ ہے تو وہ عنقریب اس جگہ کا مالک ہو جائے گا جہاں میرے یہ دونوں پاؤں ہیں (یعنی شام کے ملک کا)''۔
(تحقیق کا نتیجہ کیا نکلا؟ دشمن کی زبان سے اعتراف ہے کہ جہاں میں ہوں، اگر یہ باتیں سچی ہیں تو پھر میرا قبضہ یہاں نہیں رہے گا۔ یہ ایک دشمنِ رسول ﷺ ہے جو اقرار کر رہا ہے کہ:
''اور میں یہ جانتا تھا کہ یہ پیغمبر آنے والا ہے لیکن میں نہیں سمجھتا تھا کہ وہ تم میں سے ہوگا''
(ہرقل نے سچائی کو پالیا لیکن گروہ بندی میں مبتلا ہونے کی وجہ سے کہ وہ نبی ﷺ بنی اسرائیل میں سے نہیں ہے اس وجہ سے اس کی بات کیسے قبول کر لیں؟ ہرقل اندر سے یہ چاہتا تھا کہ میں یہ قبول کرلوں لیکن ایک رکاوٹ جو بنی وہ فقط یہی تھی)۔
پھر ہرقل نے خواہش ظاہر کی کہ ''اگر میں جانوں کہ میں اس تک پہنچ جاؤں گا تو اس سے ملنے کی ضرور کوشش کرتا اور راستے کی ہر مشقت اٹھاتا''۔
(اس سے ہمیں ایک اور سبق ملتا ہے۔ کہ علم کے حصول کے لیے راستے کی مشقتیں ہوں مال لگانا ہو یا اس کے لیے اذیتیں برداشت کرنی ہوں بہر حال خوش دلی کے ساتھ برداشت کرنی چاہئیں۔
ہرقل نے کہا: ''اور اگر میں اس کے پاس (مدینہ میں) ہوتا تو اس کے پاؤں دھوتا''۔

(یہ صاحبِ علم کی قدر ہے جن پر اللہ کا کلام، اللہ کی وحی نازل ہوئی، اس نے سچائی کو پالیا کہ میرا اس وقت یہ حال ہے کہ اگر میں ان کے پاس پہنچ جاؤں، اگر مجھے موقع مل جائے اگر مجھے ان کی خدمت میں حاضری کا موقع مل جائے تو میں ان کے قدم دھوتا۔ ان کی اتنی بڑی شان ہے۔)

اس روایت سے ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ جو کلام لے کر آئے، دشمن بھی اس کے معترف تھے، دشمن بھی اعتراف کرتے تھے۔ آپ ﷺ جو کلام لے کر آئے اس کے اثرات آپ ﷺ کی شخصیت اور آپ ﷺ کے ساتھیوں میں بھی نظر آتے تھے۔ آپ ﷺ جو کلام لے کر آئے وہ محض الفاظ نہیں تھے، وہ زندگی بدلنے کا پروگرام تھا۔ یہی پروگرام الحمدللہ آج ہمارے سامنے بھی ہے اور الحمدللہ آپ نے اس کی نیت بھی کر لی کہ ہم بھی اسی راستے پر چلیں گے تو نیت اچھی کر لیں، ارادہ! بار بار دہرائیں، قلم کے ذریعے سے علم کو محفوظ کرنا سیکھیں۔ توجہ رکھنا اور پھر خاموش رہنا، محنت کرنا، راستے کی مشقتیں برداشت کرنا اور لوگوں کی طرف سے جو اعتراضات کیے جاتے ہیں، اُن کی طرف سے جو رکاوٹیں پیدا کی جاتی ہیں ان پر صبر کرنا۔

صبر علم کے میدان میں بہت زیادہ ضروری ہے۔ انسان سب سے پہلے عجلت کا شکار ہو جاتا ہے، اُسے جلدی پڑ جاتی ہے کہ کس طرح جلدی جلدی سب کچھ حاصل کر لوں اور جلدی انسان کو کچھ بھی کرنے نہیں دیتی۔ اس لیے عجلت نہیں صبر۔ حضرت خضر علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ جہاں ہمیں ملتا ہے وہاں پر پندرھویں اور سولہویں پارے کے سنگم پر بار بار حضرت خضر علیہ السلام کے یہ الفاظ ملتے ہیں:

اِنَّکَ لَنۡ تَسۡتَطِیۡعَ مَعِیَ صَبۡرًا (الکہف:75)

''تم میرے ساتھ ہرگز صبر نہیں کر سکتے''۔

صبر کی ضرورت ہے اور یہ بات یاد رکھئے گا:

وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ (المدثر:5)

گندگی چھوڑنی پڑے گی۔ آپ کا لباس گندا ہو جائے پھر آپ کیا کرتے ہیں؟ کوشش کرتے ہیں کہ صاف لباس پہن لیں، اس گندگی کو صاف کر لیں اور جو دھبے، داغ اور جو گندگی ہمارے کردار کو چمٹ چکی، جن کی وجہ سے ہمارے دل آلودہ ہو چکے انشاء اللہ تعالیٰ اس گندگی کو چھوڑنا ہے اور انشاء اللہ اپنے آپ کو بچانا ہے۔

ہم رسول اللہ کے نقشِ قدم پر چلنا چاہتے ہیں تو اس لیے علم کے مراحل بھی آپ ﷺ سے سیکھنے ہیں۔ جو آپ ﷺ پر بیتا، خواہش اور تمنا ہونی چاہیے کہ ہم پر بھی بیتے، ہما رے دل کے اندر بھی وہ جذبہ اُٹھے اور اللہ تعالیٰ ہمارے اندر بھی رسول اللہ ﷺ جیسا شوق پیدا کردے۔

ہم بھی اسی توجہ اور خاموشی سے وحی کے کلام کو سنیں۔

ہم بھی وحی کے علم حصول کے لیے رسول اللہ ﷺ کی طرح محنت کریں۔

ہم بھی وحی کے علم حصول کے لیے رسول اللہ ﷺ کی طرح سختیاں برداشت کرسکیں۔

حصول علم کے لیے محمد رسول اللہ ﷺ کے راستے پر چلیں تا کہ محمد ﷺ رسول اللہ کی طرح سے اپنے ذہن، دل اور پورے معاشرے کو روشن کرسکیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ویسا ہی فہم عطا فرمائے اور ہم سے بھی ویسا ہی کام لے جو کام محمد رسول اللہ ﷺ نے کیا تھا۔ جیسا آپ ﷺ کو علم سکھایا ہمیں بھی سکھادے، جیسے آپ ﷺ سے دین کی خدمت لی تھی ہم سے بھیہ دین کی خدمت قبول فرمالے۔

اس علم کی روشنی کو خود حاصل کرنے اور دوسروں تک پہنچانے کے لیے آپ اس کتابچے اور اسی موضوع کی CD سے بھر پور فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ خود پڑھیں اور دوسروں کو پڑھائیں ،صدقہ جاریہ کا اہتمام کرتے چلے جائیں۔